



SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک بھرا سا گردہ جو شعور رکھتا ہے، وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے۔ مارگریٹ میڈ

# شہری

برائے بہتر ماحول

اکتوبر تا دسمبر 1996

شہر کے سٹریٹس

سندھ کے بادکش  
بلوچستان ہائیکورٹ کا تاریخی فیصلہ  
ہیٹنگ۔ عالی انجمنوں کا گڑھ  
کپاس کی تباہی کے اسباب

## شہریوں کی آواز پر بھی توجہ دیں

شہید عوامی دباؤ کی وجہ سے غیر قانونی عمارتوں کی تعمیر روکنا اور ان کی توڑ پھوڑ کا سلسلہ جاری ہے

شہری برائے بہتر ماحول نے اس ضمن میں چند غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی ہے

کن ہوں گے۔ یہ کوشش کی گئی کہ انفرادی روابط، سینئر اور ورکشاپوں ذرائع ابلاغ اور رابطے کے دیگر وسائل کی مدد سے اس بحران کے بڑے اسباب کی نشاندہی کر دی جائے اور ان اقدامات کی بھی نشان دہی کر دی جائے جن کی مدد سے اس سلسلے میں مثبت تبدیلیاں لائی جاسکیں۔ چنانچہ کراچی بلڈنگ اتھارٹی کے ڈی اے کے ایم سی کے حکام، بلڈرز، ضلعی انتظامیہ، سیاستدانوں، عام شہریوں اور عدلیہ سے اعلیٰ ترین سطح پر رابطے قائم کئے گئے۔ اس طویل عمل کے نتیجے میں جس میں ایڈووکیسی، مشاورت، میٹنگیں احتجاج اور عدالتی معرکہ آرائیاں شامل ہیں خاصی کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ اس جلد مسلسل میں قابل ذکر اہم مرحلہ اس وقت آیا جب اس سال کے شروع میں بڑی تعداد میں غیر قانونی عمارتیں سرگرمی گئیں اور کثیر کراچی یا سابق وزیر اعلیٰ سندھ کے حکم پر بعد میں منہدم کر دی گئیں۔ یہ عمل اب تک جاری ہے۔ مقامی اخبارات میں اس جاری عمل کے بارے میں خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس ڈرامے کے تمام حلقہ اداکار مثلاً ”آباد“ کے بی سی اے کے ڈی اے



**شہری کا موقف یہ ہے کہ ”آباد“ نے جس نشوونما اور پریشانی کا اظہار کیا ہے وہ حقائق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ تعمیراتی قوانین کسی طور پر بھی کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر میں آڑے نہیں آتے**

کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور کے ڈی اے کے حکام اور بلڈرز کے ناپاک گٹھ جوڑ کے نتیجے میں شہری بنیادی شہری سموتوں اور علاقے کے باشندوں کی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے اور اس کی قوت محرکہ دولت اور صرف بڑے پیانے پر حب ذریعہ ہے۔

”شہری“ کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اگر ان غیر قانونی سرگرمیوں کو نہ روکا گیا تو ان کے نتائج مستقبل قریب ہی میں اس شہر اور اس کے شہریوں کے حق میں نہایت تباہ

ہت اور نومنزولہ عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں جن میں لازمی طور پر کھلی چھوڑی جانے والی جگہوں کو بھی ڈھانپ لیا گیا ہے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں یہ علاقے جو کبھی منظم بستیاں ہو کرتی تھیں اب بد صورت آبادیوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ شہری سموتوں مثلاً پانی، سیوریج، بجلی، پکڑے کی صفائی وغیرہ پر ناقابل برداشت حد تک بوجھ پڑ رہا ہے۔ شہر میں جہاں پہلے ہی پارکوں اور کھیل کے میدانوں کا فقدان ہے کھلی جگہیں تیزی سے معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔

تقریباً ”تین سال قبل شہری نے ایک مہم شروع کی تھی جس کا مقصد کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور کے ڈی اے کے کاموں کے بارے میں کھلے پن، محاسبے اور قانون کی حکمرانی کے اصولوں کی کارفرمائی کے بارے میں شعور عام بیدار کرنا تھا۔ اس قسم کی مہم کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزیوں کے معاملات کی تعداد خطرناک شرح سے بڑھنے لگی تھی جن میں استعمال اراضی میں غیر قانونی تبدیلی بھی شامل ہے۔ خالصتاً رہائشی علاقوں میں رہائشی پلاٹوں پر کثیر المنزلہ تجارتی منصوبوں کی منظوری دی جا رہی ہے ایسے واقعات خاص طور پر کراچی کی پرانی اور ترقی یافتہ ہاؤسنگ سوسائٹیوں مثلاً گارڈن ایسٹ، جمشید روڈ، گارڈن ویسٹ، پی ای سی ایچ ایس، ہمدان آباد، لیاری، کھار اور وغیرہ کے علاقوں میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور اضافی منزلوں کی تعمیر سب سے زیادہ تشویش کا باعث ہے۔

مثال کے طور پر گارڈن ایسٹ، گارڈن ویسٹ اور جمشید کوارٹرز کو لیتے، جہاں قانون کے مطابق صرف گراؤنڈ فلز دن تعمیر کی اجازت ہے، لیکن وہاں بلڈرز



شہری

جی 206 بلاک 2 جلی ای سی ایچ ایس  
کراچی 75400-پاکستان

ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646

e-mail/address: Shehri@-Shehri.  
a. khi.brain.net.pk.

ایڈیٹر: انیس ہارون

انتظامی کمیٹی

چیمپرسن: قاضی فائز عیسیٰ

وائس چیمپرسن: حسن جعفری

جنرل سیکریٹری: امیر علی بھائی

ارکان دانش آزر زوبی

فرحان انور

وکتوبہ ذی سوزا

نوید حسین، امیر الرحمن

شہری اسٹاف

ایڈیٹر شہریٹر: مرزا منصور

پرائیکٹ اسٹنٹ: اسامی خالی ہے

سیکرٹری: مرزا ناہید قادر

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف: نوید حسین

تحفظ درخت: دانش آزر زوبی

امیر الرحمن

میڈیا اور بیرونی روابط: امیر الرحمن، حسن

جعفری، فرحان انور

قانون: قاضی فائز عیسیٰ، امیر علی بھائی

مدیر ایڈیٹوری سوزا وکتوبہ ذی سوزا

پارکس اور تفریح: خلیفہ امیر

مالی حصول: تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بحر

ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس

اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے

کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر/ادارتی عمل کا خزانہ میں شائع

ہونے والے مضامین سے متعلق ہونا ضروری

نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن: زیبا خالد

پروفیشنل: انٹرنیشنل کیو ٹیکسٹ

مالی تعاون: قرظہ رنگ نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN

دی ورلڈ کنزرویشن یونین

اور ترقیات کے ماہرین اس سلسلے میں اپنا  
اپنا موقف پیش کر رہے ہیں۔

جاریہ مہم کے خلاف احتجاج میں ”

آباد“ (ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ

ڈیولپرز) کی آواز سب سے زیادہ بلند

آہنگ ہے۔ ان کا موقف ہے کہ موجودہ

تعمیراتی قوانین، ضمنی قواعد اور ضوابط

موجودہ ذمہ داریوں اور شہری بڑھتی ہوئی

رہائشی ضروریات سے مطابقت نہیں

رکھتے، لہذا ان کے تحت ایسے سخت

اقدامات نہ کئے جائیں کیونکہ یہ کثیر المنزل

عمارتیں شہری بڑھتی ہوئی رہائشی اور

تجارتی ضروریات کو ہی پورا کرنے کے لئے

تعمیر کی جا رہی ہیں، ”آباد“ کا کہنا ہے کہ

حکام کی کارروائی کے نتیجے میں عام شہریوں

کے وہ لاکھوں کروڑوں روپے ڈوب جائیں

گئے جو انہوں نے ان سر بہر اور مندم کی

جانے والی عمارتوں میں قلیڈوں اور دکانوں

کی خریداری یا کرائے پر حاصل کرنے کے

لئے ادا کئے ہیں۔ ”شہری“ کا موقف یہ

ہے کہ آباد نے جس تشویش اور پریشانی کا

اظہار کیا ہے وہ حقائق پر مبنی نہیں ہے۔

کیونکہ تعمیراتی قوانین کسی طور پر بھی

کثیر المنزل عمارتوں کی تعمیر میں آڑے

نہیں آتے، بشرطیکہ متعلقہ قواعد اور طریق

کار کی پابندی کی جائے۔ اگر سندھ بلڈنگ

کنٹرول آرڈیننس کے سیکشن 12 (بلڈنگ

کے این او سی کی فروخت) کی پابندی کی

جائے اور اس میں دیئے ہوئے طریقہ کار

پر سختی سے عمل کیا جائے تو ایسا کوئی بحران

کبھی پیدا ہی نہیں ہوگا۔

لیکن چونکہ بلڈنگ پلان اور سائٹ

کا عمل وقوع ایسا ہوتا ہے کہ بلڈرز ان

قوانین کے اطلاق کے متحمل ہی نہیں

ہو سکتے۔ وہ کے پی سی اے اور کے ڈی

اے کے حکام کے ساتھ ملی بھگت کر کے

اعین آسانی کے ساتھ نظر انداز کر دیتے

ہیں۔ عام طور پر طریقہ واردات یہ ہوتا

ہے کہ نقشے منظور کرائے جاتے ہیں اور

پرائیکٹ سائٹ پر ایک بنگلہ آفس بنادیا

جاتا ہے تاکہ تیسری پارٹی کی دلچسپی پیدا کی

## ”شہری“ کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اگر ان غیر قانونی

## سرگرمیوں کو نہ روکا گیا تو ان کے نتائج مستقبل قریب

## ہی میں شہریوں کے حق میں نہایت تباہ کن ثابت ہوں گے

کرنے کی اجازت دینے کے سلسلے میں ہوا  
جیسے ”شہری“ سمیت عوام چیلنج کرنے کا  
ارادہ رکھتے ہیں۔

شاہراہ فیصل کو ایک تجارتی سڑک کا

درجہ دیا گیا ہے اور اس پر کثیر المنزل

عمارتوں کی تعمیر کی اجازت دی گئی ہے۔

سڑک کے دونوں جانب کے رہائشی مکانات

وزارت تعمیرات، پی ای سی ایچ ایس اور

محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ کی معرفت

وفاقی حکومت کی ملکیت ہیں جو کہ اس

اراضی کے لائسنس یافتگان ہیں۔ تاہم

ان کو آپریٹو سوسائٹیوں کو اس فیصلہ سازی

کے عمل میں شریک نہیں کیا گیا جس کے

نتیجے میں شاہراہ فیصل پر کثیر المنزل عمارتیں

تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔

فیصلہ کرنے والے اداروں کی اس

کو تباہی کے باعث ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

مستقبل میں ایسی مقدمے بازیوں کا دروازہ

بالی صفحہ 19 پر

جاسکے۔ صرف یہی نہیں کہ عمارت کے  
ڈھانچے کے سلسلے میں خلاف ورزیاں کی  
جاتی ہیں بلکہ ہر قسم کی قانونی طریقہ کار کی  
اور عمارت کے بنیادی تصور تک کی بلڈرز  
خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔

جہاں تک عام شہریوں کے لاکھوں

کروڑوں روپے پھنس جانے کا تعلق ہے،

اس ضمن میں ”شہری“ کی تجویز ہے کہ

شہری اداروں سمیت تمام متعلقہ پارٹینوں

کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی

جائے اس کمیٹی کو یہ کام سونپا جائے کہ وہ

سر بہر کی جانے والی عمارتوں کے معائنہ

اور ادا ٹیکوں کے طریق کار کی سفارش

کرسے اور دیکھے کہ ان عمارتوں میں کس

حد تک خلاف ورزیاں کی گئی ہیں تاہم ایسا

گلتا ہے کہ کثیر المنزل عمارتوں کی تعمیر کے

سلسلے میں تمام بڑے بڑے فیصلے رائے عامہ

معلوم کئے بغیر ہی کئے جا رہے ہیں، جیسا کہ

شاہراہ فیصل پر کثیر المنزل عمارتیں تعمیر

### مناسب طریقہ

### عمارتوں کی فروخت

1) کوئی بلڈر متعلقہ اتھارٹی سے تحریری اجازت حاصل کرنے سے پہلے کسی عمارت کی  
فروخت کے لئے کسی بھی قسمی اور لہجری ذریعے سے تحمیر نہیں کرے گا اور اپنے اشتہار میں  
عمارت کے بارے میں وہ تمام تفصیلات مہیا کرے گا جو تحمین کی جائیں گی۔

2) اتھارٹی کی جانب سے ذیلی شیٹ نمبر کے تحت ہو منظوری دی جائے گی اسے بلڈر کے دفتر  
میں یا عمارت کی سائٹ پر نمایاں طور پر آویزاں کیا جائے گا۔

3) بلڈر اس بلڈنگ میں دیئے گئے رہائشی یونٹوں کی تعداد سے زیادہ تعداد میں ذیلی شیٹ نمبر  
کے تحت اشتہار کے جو آپ میں موصول ہونے والی درخواستوں کو نہ قبول کرے گا اور نہ  
رجسٹر کرے گا۔

4) اشتہار کے جو آپ میں درخواست موصول ہونے کی صورت میں بلڈر اور درخواست  
دہندہ کے درمیان عمارت کی تعمیر اور منتقلی کے بارے میں ایک معاہدہ ہوگا اور اس معاہدے  
میں بطور خاص اس تاریخ کا تعین ہوگا جب تعمیر مکمل ہوگی اور عمارت کا قبضہ دیا جائے گا اور  
وہ تاریخ بھی جب پوری قیمت ادا کر دی جائے گی۔

# سر بمبر عمارتوں کی تفتیش شہری کا موقف

قاضی فائز عیسیٰ سر بمبر کی جانے والی عمارتوں کے بحران سے متعلق مسائل اور موجودہ صورت حال کے خاتمے کے بارے میں کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی حالیہ کوششوں کے قابل یقین ہونے کے بارے میں تفصیلی اظہار خیال کرتے ہیں

عظیم تر شہر کراچی کے شہریوں کی پیٹھ میں ایک بار پھر خنجر گھونپا گیا ہے۔ شہری برائے بمبر ماحول کو اپنے ذرائع سے وہ رپورٹ حاصل ہوئی ہے۔ جو ”آباد“ کے ارکان کے سر بمبر کئے جانے والے پروجیکٹس کے بارے میں تحقیقات کے لئے قائم کی گئی کمیٹی نے مرتب کی ہے (حالانکہ جب اس رپورٹ کی ایک نقل شہری کو بھی فراہم کرنے کی درخواست کی گئی تو کسٹر کراچی یا ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا) اس کمیٹی کی تشکیل، اس کا طریقہ کار اور اس کی سفارشات قابل اعتراض ہیں۔

## تشکیل

یہ کمیٹی کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے دو ملازمین پر مشتمل ہے۔ اتھارٹی تعمیراتی قوانین پر عملدرآمد کرانے کی ذمہ دار ہے، لیکن وہ اپنی قانونی ذمہ داریوں کو جوہر پورا کرنے میں ناکام رہی ہے، جس کا

سبب غفلت، لاپرواہی یا شعوری طور پر گریز کرنا یا دونوں باتیں ہیں۔ کمیٹی کے باقی ارکان ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ ڈیولپرز کے ارکان ہیں۔ اسی ایسوسی ایشن کے ارکان کے خلاف تحقیقات ہو رہی ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ وہ اس کمیٹی کی کارروائی پر اثر انداز ہوں گے۔ اگر کمیٹی میں ایسوسی ایشن کا ایک نمائندہ شامل ہوتا تو اعتراض نہ ہوتا، لیکن بڑی تعداد میں ”آباد“ کے ارکان کی کمیٹی میں شمولیت سے کمیٹی سے آزاد روی اور انصاف کی توقع رکھنا عبث ہے۔ ایسی کمیٹی کی تشکیل ہی سے اعتماد یقین اٹھ گیا ہے۔ ہر شہری اس ضمن میں یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ

- کمیٹی میں معاملات کا علم رکھنے والے شہریوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟
- غیر سرکاری تنظیموں کے نمائندوں کو ارکان کی حیثیت سے شمولیت کی دعوت کیوں نہیں دی گئی؟
- شہرت یافتہ آرکیٹیکٹس، ناؤن پلانزیا دکلاء کو کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا گیا۔
- کمیٹی صرف دلچسپی رکھنے والی پارٹیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی رپورٹ یا سفارشات ناقابل اعتبار ہو گئی ہیں۔

## کمیٹی کا طریقہ کار

کمیٹی نے انتہائی خفیہ طریقے سے کام کیا، دلچسپی رکھنے والی پارٹیوں یا متعلقہ شہریوں کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے کوئی پبلک فوٹس نہیں دیا گیا۔ نہ ہی خود مختار ماہرین، پیشہ ورانہ تنظیموں یا ماحولیاتی غیر سرکاری تنظیموں کو اپنی ماہرانہ

رائے دینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ رپورٹ میں جس واحد رائے کا ذکر کیا گیا ہے وہ ”آباد“ کی تھی (کمیٹی کے پانچ میں سے تین ارکان ”آباد“ کے ممبر تھے) رپورٹ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ کمیٹی کے اجلاس کب، کتنی مرتبہ اور کہاں ہوئے، مذکورہ رپورٹ میں اس بات کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا کہ آیا اس سلسلے میں کسی سابقہ رپورٹ پر بھی غور کیا گیا، قوانین کا جائزہ لیا گیا، ماہرین سے مشورہ طلب کیا گیا۔

## کمیٹی کی سفارشات

کمیٹی نے معاملے کا باقاعدہ اور مناسب طور پر تجزیہ کئے بغیر ہی اپنا فیصلہ یوں صادر کر دیا کہ۔۔۔

”خلاف ورزی کے ان معاملات کو ایک ایسا کام سمجھا جائے جو پہلے ہی ہو چکا ہے اور اس ضمن میں بہترین راستہ یہی ہے کہ کے ڈی اے کی گورننگ باڈی نے اپنی قرارداد نمبر ۸۷۶/۱۹۹۳ء میں جو اضافی فیسیں اور دیگر واجبات مقرر کئے ہیں ان کی ادائیگی کے بعد ان معاملات کو قواعد کے مطابق قرار دے دیا جائے۔“

”اگر ان علاقوں کو باقاعدہ کرنے کی تجویز منظور کر لی جائے تو اس کے لئے سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس کی دفعہ ۱۹ (ب-الف) میں ضروری ترامیم کرنے کی ضرورت ہوگی۔“

اگر مذکورہ کمیٹی کی سفارشات پر کسی طور پر بھی عمل کیا گیا تو اس سے شہریوں کے حقوق بری طرح متاثر ہوں گے۔

- (۱) اس سے یہ اصول ثابت ہو جائے گا کہ جرم کرنے والا فائدے میں رہتا ہے۔
- (۲) اس سے لوگوں کو یہ ترغیب ہوگی کہ وہ کسی قانون کی پابندی نہ کریں، کیونکہ

قانون کی خلاف ورزی کے ارتکاب کے بعد یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ یہ کام تو اب ہو چکا ہے۔

(۳) اس سے غیر ضروری قانونی مسائل اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً مستقبل میں اگر دوسرے لوگ تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی کریں اور انہیں باقاعدہ نہ کیا جائے تو وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کے خلاف انتظامی کارروائی ہوئی ہے یا ان سے امتیاز برتا گیا ہے۔ ممکنہ طریق کار کو ایک طرف طور پر اپنی مرضی سے نہیں بدلا جاسکتا اور وہ بھی قانون شکنی کرنے والوں کی سہولت کی خاطر

(۴) کمیٹی نے یہ تسلیم کیا کہ ریگولر ایزیشن کے لئے قانون کی دفعہ ۱۹ (ب-الف) میں ترمیم کرنا ہوگی۔ لہذا کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرنے کے لئے قانون میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ ایسی سفارش کر کے کمیٹی نے اپنی اختیار کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔ کمیٹی سے یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ اپنی سفارشات موجودہ قوانین کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کرے گی۔ کمیٹی سے یہ توقع ہرگز نہیں کی گئی تھی کہ وہ چند بلڈرز کو فائدہ پہنچانے کے لئے قانون بدلنے کا مشورہ دے گی۔ اگر متفقہ کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرے گی تو اس پر سخت نکتہ چینی ہوگی اور مکرو فریب کا الزام آئے گا۔

## کمیٹی پر تبصرہ

کمیٹی نے نہ صرف ان بلڈرز کی حمایت کی جو قانون شکنی کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے ان کی مکمل حمایت کا اعادہ کیا۔ اس سلسلے میں رپورٹ کا مندرجہ ذیل اقتباس شہریوں کے احساس کے لئے

آزاد نہ ہیں۔

”یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ ان معاملات کا فیصلہ ان خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جائے جو ”آباد“ کے ارکان بے گھر لوگوں کو جانے پناہ فراہم کرنے کے سلسلے میں انجام دے رہے ہیں۔“

یہ بات قابل فہم ہے کہ کمیٹی میں ”آباد“ کے ارکان تو ایسا بیان دے سکتے ہیں۔ لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ کے بی سی اے کے کنٹرولر اور ڈپٹی کنٹرولر بھی اس کی توثیق کر رہے ہیں۔ ”آباد“ کے ارکان اس دنیا کے ”ایدمی“ نہیں ہیں کہ وہ خدمت خلق کر رہے ہیں بلکہ وہ اپنے کاروبار سے منافع حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔ ایک بلڈر عام طور پر گراؤنڈ فلور کی تعمیر سے ہی زمین پر کی گئی سرمایہ کاری واپس نکال لیتا ہے اور ہر اضافی منزل کی تعمیر سے اسے ۸۰ فیصد سے زائد منافع ہوتا ہے۔ جب اتنے بھاری منافع کا سوال ہو تو پھر بد عنوانیوں کا کیا ٹھکانہ؟ پھر اس معاملے میں سیاستدانوں اور بد عنوان کے بی سی اے کے ملازمین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں تاکہ عمارت زیادہ سے زیادہ بلند ہو سکے اور کھلی جگہوں کے قواعد کو پامال کیا جاسکے۔ اس صورت حال میں جب بھی کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی پر عوام کا دباؤ بڑھتا ہے کہ کارروائی کی جائے تو ریگولر ایزیشن کی تجویز پیش کر دی جاتی ہے۔

یہ نام نہاد ریگولر ایزیشن، قانون اور نظم و ضبط کے اصولوں پر مبنی معاشرے کے تصور کے قطعاً منافی ہے۔ اگر ریگولر ایزیشن ہی کو واحد حل تسلیم کر لیا جائے تو پھر تمام تعمیراتی قوانین اور ریگولٹری اداروں کو ختم کر دیا جائے اور ہر قسم کی تعمیراتی سرگرمیوں کے لئے صرف ”ریگولر ایزیشن فیس“ کی ایک اسکیم برقرار رکھی جائے، اس اسکیم کا مقولہ یہ ہونا چاہئے کہ ”تعمیر کرتے جائیں اور ادا کرتے جائیں۔“ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ کے بی سی اے ایسی سفارش ہرگز نہیں

کرے گی اور نہ ہی پارلیمنٹ اس کی حمایت کرے گی کیونکہ اس کے نتیجے میں بد عنوان بلڈنگ اتھارٹیز اور سیاستدانوں کے ہاتھ سے امتیازی اختیارات چھن جائیں گے اور جس چیز کو قانوناً خریدنا جاسکتا ہے اس کے لئے رشوت نہیں دی جائے گی۔

## آئندہ راہ

ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا جب اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی تھی جو کہ اس وقت کے ایڈیشنل چیف ایمر سی انجینئر نے سنبھالنے کے لئے مقرر ہوئے۔ یہ کمیٹی مندرجہ ذیل

کیوں نہیں کی۔ اگر یہ ترمیم تجویز کے مطابق نافذ کر دی جاتیں تو ایسے متعدد مسائل سے بچا جاسکتا تھا جو آج درپیش ہیں۔ مجوزہ ترمیم میں یہ سفارشات شامل تھیں۔

۱) کے بی سی اے کی کارکردگی کی نگرانی کے لئے ایک مستقل کمیٹی قائم کی جائے اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کمیٹی سیاسی دباؤ سے آزاد ہو اور خالصتاً پیشہ ورانہ انداز میں کام کرے چنانچہ یہ تجویز کیا گیا کہ کمیٹی کے سات ارکان میں ایک ایک وکیل، آرکیٹیکٹ، ٹاؤن پلانر اور انجینئر شامل ہو اور اس کی میعاد تین سال کے لئے مقرر ہو۔

۲) اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ

کمیٹی نے انتہائی حقیقت پر مبنی سے کلمہ کیا دلچسپی رکھنے والی ہارلیوں یا متعلقہ سپرہیوں کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے کوئی بیلنک نوٹس نہیں دیا گیا نہ ہی خود مختار ماہرین، ہڈسہ ورائٹ، تنظیموں یا ماحولیاتی غیر سرکاری تنظیموں کو رائے دہی کے لئے مدعو کیا گیا

پیشہ ور ماہرین پر مشتمل تھی۔

جناب نعیم الرحمان بار ایٹ لاء، جناب عارف حسن آرکیٹیکٹ، جناب ارشد عبداللہ آرکیٹیکٹ، جناب رؤف اختر فاروقی اس وقت چیف کنٹرولر بلڈنگ کے بی سی اے کے ڈی اے کا نمائندہ، جناب مخدوم علی خان بیرسٹریٹ لاء، قاضی فائز عیسیٰ بیرسٹریٹ لاء، پروفیسر محمد نعمان، ایڈیشنل چیف ایمر سی سے کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرتے رہے۔

مذکورہ کمیٹی نے تین ماہ کے عرصے میں متعدد اجلاس کئے اور مجوزہ ترمیم پیش کیں جنہیں تمام ارکان نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایک سال گزر جانے کے باوجود حکومت نے ان سفارشات کے سلسلے میں کوئی کارروائی

کارروائی کی جائے گی۔

۳) عوام کے مزید تحفظ اور غیر قانونی عمارتوں میں تھرو پارٹی کا مفاد پیدا کرنے کی روک تھام کے لئے یہ تجویز کیا گیا کہ

”دیگر نافذ قوانین سے قطع نظر رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۰۸ء کے تحت کسی قسم کی عمارت کی فروخت یا لیز کی رجسٹریشن اس وقت تک نافذ العمل نہیں ہوگی جب تک اس عمارت کے لئے متعلقہ اتھارٹی کی جانب سے جاری کردہ تکمیل کا سرٹیفکیٹ مجاز افسر رجسٹریشن کو نہ دکھایا جائے اور اس کی ایک نقل فروخت یا لیز کی دستاویز کے ساتھ منسلک نہ کی جائے۔“

۴) عوام کو دھوکہ دہی سے مزید محفوظ رکھنے کی غرض سے یہ تجویز کیا گیا کہ۔۔۔۔۔

”ڈیولپر یا بلڈر اتھارٹی کے پاس پروجیکٹ کی مالیت کے دو فیصد کے برابر رقم جمع کرانے کا ناکہ اس رقم سے الائی یا منتقلی کرانے والے کے کامیاب دعوؤں کی ادائیگی کی جاسکے۔ اگر کوئی دعویٰ ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد اتھارٹی باقی ماندہ رقم جو گورنمنٹ سیکورٹیز میں لگائی جائے گی بارہ ماہ کے اندر منافع یا مارک اپ کے ساتھ بلڈر کو لوٹا دے گی۔“

۵) اس امر کی ضمانت کے لئے کہ اتھارٹی کے ملازمین پر کسی قسم کا سیاسی یا کوئی دوسرا دباؤ نہیں ڈالا جاسکے گا اور دیانت دار ملازمین کی حوصلہ افزائی اور بد عنوان اور نااہل افراد کی بیخ کنی کے لئے سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس میں عمل تحفظ کی مندرجہ ذیل مشن کا اضافہ کیا جائے گا۔ ”اتھارٹی کے کسی افسر کی جانب سے بددیہتی یا بد عنوانی کی صورت میں کمیٹی کو شکایت پیش کی جائے گی جو مناسب تحقیقات کے بعد حکومت کو سفارش کرے گی کہ اس افسر کو برطرف یا معطل کیا جائے، جرمانہ کیا جائے یا وارنٹک دی جائے اور اس کا اندراج اس افسر کی رسالہ خفیہ رپورٹ میں کیا جائے گا۔“



## کھارے پانی کو ذریعہ مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے

کی مضبوطی اور علاقے کے حسن میں اضافہ بھی شامل ہے۔

○ سوال۔ کمانڈا کے دوسرے علاقوں میں اس ضمن میں کامیابی کی مثالیں موجود ہیں؟

\* جواب۔ بے شک، آسٹریلیا میں چراگی کے قابل نمکین جھاڑیاں اگائی جاتی ہیں۔ آسٹریلیا میں بھیٹرس اور کبریاں پالنے کے بڑے بڑے فارم صرف اسی قسم کی زراعت کی بدولت قائم ہیں، ہالینڈ میں زمین کی قلت کے باعث ریستے ساحلی علاقے سمندر سے حاصل کر کے وہاں چارے کے طور پر چھدر کی کاشت کی جاتی ہے اور اس کی بنیاد پر مویشی بانی کی جاتی ہے۔ بعض دوسرے ممالک مثلاً جنوبی امریکہ، میکسیکو، جنوبی ریاست ہائے متحدہ امریکہ، مصر، اسرائیل وغیرہ میں باہو سیلائین زراعت کے طریقے سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

○ سوال۔ کیا ہم اس طریقہ زراعت کو تھر جسے علاقوں میں بروئے کار نہیں لاسکتے؟

\* جواب۔ یقیناً ہم لاسکتے ہیں اور ہمیں لانا چاہئے۔ سب سے پہلے تو ہم یہ کوں گا کہ تھر حقیقت میں صحرا نہیں ہے ان حقیقی معنوں میں جسے ہم کہتے ہیں کہ ریگستان ہے۔ تھر میں متعدد جگہوں میں ہریالی پائی جاتی ہے جبکہ ریگستان میں آپ میلوں چلتے جائیں اور کہیں زندگی کا نام و نشان نہیں ملے گا۔ لہذا آپ یہاں اس طریقہ زراعت سے بڑی آسانی کے ساتھ



اسٹیٹ یونیورسٹی سے پلانٹ فزیالوجی کے شعبے میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ وہ ریستے صحراؤں اور ساحلی ریگزاروں میں زراعت اور جنگل اگانے کے لئے زیر زمین کھارے پانی کے استعمال میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ ”شہری“ سے ڈاکٹر رفیق احمد کی گفتگو۔

### ڈاکٹر رفیق احمد جو اس وقت

جامعہ کراچی کے شعبہ حیاتیات میں باہو سیلائین پراجیکٹ کے پرنسپل انویسٹی گیٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں خود اپنی ذات میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیق احمد نے امریکہ کی مشہور اوہایو

منصوبہ بڑی کامیابی سے مکمل کیا ہے۔

○ سوال۔ آپ نے کھکو کے بلوے میں خاصی تحفظات کی ہے اس قسم کی زراعت کے کیا نقصانات اور ماحولياتی فوائد ہیں؟

\* جواب۔ دنیا بھر میں کیکر کی 20 مختلف اقسام پائی جاتی ہیں۔ ہم اپنے تحقیقی مرکز میں ان میں سے تقریباً آٹھ اقسام کو ترقی دے پائے ہیں۔ کیکر سے بے شمار فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اسے امید من کی لکڑی کے طور پر، مویشیوں کے چارے اور ذریعہ مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا

○ سوال۔ ہمیں اپنے ہائیو سیلائین پراجیکٹ کے بلوے میں بتائیں کہ کب شروع ہوا اور کیوں؟

\* جواب۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ نمکین پانی آپاشی کے لئے موزوں نہیں ہے تاہم بعد میں تحقیقات کے نتیجے میں یہ ثابت ہوا کہ بعض اقسام کے پودے، درخت اور جھاڑیاں نمک برداشت کر لیتے ہیں اور انہیں ریستے صحراؤں اور ریستے ساحلی علاقوں میں آسانی سے اگایا جاسکتا ہے۔ چیکو، کیکر، نیم، سوڈان ٹیک، صحرائی پائین اور چھدر اس کی چند مثالیں ہیں۔ صحرائی اور نیم صحرائی خطوں میں ایسی زراعت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں صحرائی اور جنگلات کی کٹائی کا عمل تیزی سے جاری ہے چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ باہو سیلائین زراعت کے طریقے پر تحقیق کی جائے۔ 1910ء میں کراچی یونیورسٹی میں یہ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔

○ سوال۔ کیا آپ نے پاکستان میں کوئی لہذا پراجیکٹ شروع کیا ہے؟

\* جواب۔ جی ہاں۔ ہم نے سجاوٹ میں نمک برداشت کر لینے والی چرنے کے قابل جھاڑیوں کا منصوبہ شروع کیا ہے۔ تقریباً دس ایکڑ اراضی پر سو فیمنیائی میں بھی ایسی جھاڑیاں اور پودے لگائے گئے۔ بعد ازاں اس علاقے میں مویشی بانی کی صنعت شروع کی گئی۔ بلوچستان کے محکمہ جنگلات نے پستی کے علاقے میں کیکر کی کاشت کا

○ سوال۔ کراچی میں سوریج کاری سائیکل کیا ہوا پانی بھی آب پاشی کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیا یہ طریقہ درست ہے؟

\* جواب۔ جی ہاں۔ بشرطیکہ مناسب طریقے سے اس پانی کا ٹریٹ منٹ کیا گیا ہو، طبع کے علاقے میں یہ طریقہ بہت عام ہے اور اس کے بہتر نتائج مرتب ہوئے ہیں۔

○ سوال۔ ہمارے ملک میں اس نوعیت کی زراعت کو فروغ دینے کے لئے کیا اقدامات کئے جاتے ہیں؟

\* جواب۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اس سلسلے میں تحقیق و ترقی کے منصوبوں پر سرمایہ کاری کر سکیں۔ اگر سرمایہ دستیاب بھی ہو تو یہ سرمایہ کاری طویل مدت کے لئے ہوگی۔ اس کے لئے افرادی قوت دستیاب ہے لیکن اس کی امداد اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔



جانوروں کے چارے کے لئے سجاوٹ میں کاشت کی گئیں تخمیناً جھاڑیاں

سجاوٹ میں نمکین جھاڑیوں کی کاشت کی جارہی ہے

تقریباً "دس ایکڑ اراضی پر سونمیلانی میں بھی ایسی جھاڑیاں

کاشت کی گئی ہیں

اگائیں تو ان دہائیوں کو ایندھن اور چارے کے حصول کا ایک اور متبادل ذریعہ مل سکتا ہے۔ ایسی زراعت کو فروغ دے کر کراچی میں بھی مویشی بانی کی صنعت شروع کی جاسکتی ہے۔

مقامی دیہاتی دلدلی جنگلات کو ایندھن اور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اور کوئی متبادل نہیں ہے اگر ہم ساحل سے کچھ فاصلے پر ٹیکر

استفادہ کر سکتے ہیں میں ذاتی طور پر اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں لیکن ایسے طویل المیعاد منصوبوں کے لئے مالی امداد درکار ہوگی۔ سفر و رہائش کی سہولتیں مہیا کرنی ہوں گی۔ ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہوگی جو صاحب نظر ہوں۔

○ سوال۔ آپ کی تحقیق سے کراچی جسے شہری مرکز کو کہا لانا بہنچ سکتا ہے؟

\* جواب۔ کراچی میں پیشہ یارک اور کھلے مقامات درختوں سے محروم ہیں اس کا ایک سبب پانی کی قلت ہے ان پارکوں کو ڈرپ کلچر ٹیکنالوجی جیسے پانی کی بچت کے طریقوں اور زیر زمین پانی کو بروئے کار لاکر نئی زندگی بخشی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں ہماری تحقیق اور مہارت بڑی مدد دے سکتی ہے۔ کراچی کے ساحلی جنگلات کی تباہی کے بارے میں بڑی بڑی باتیں کی جاتی ہیں۔ اس تباہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ

## شہری کی رکنیت

1997ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے  
"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوہن بھر کر اس پتے پر روانہ کریں۔

شہری برائے بہتر ماحول

206 جی۔ بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان

ٹیلی فون / فیکس۔ 92-21-4530646

e-mail/address: Shehri @ - Shehri, a. khi. brain.net.pk

نام۔ ٹیلی فون (گھر)۔

ایڈریس۔

پتہ۔ ٹیلی فون (دفتر)۔

شہری کی خصوصی رپورٹ



# سندھ کے بادکش

حیدرآباد اور اندرون سندھ کے مکانوں کو ہوادار اور روشن

بنانے کے لئے بادکش تعمیر کئے جاتے تھے، یہ منفرد طریقہ

گزشتہ دو سو سال سے بڑی کامیابی کے ساتھ رائج ہے

لئے قدرتی ہوا کو استعمال کرنے کا ایک منفرد طریقہ بڑی کامیابی سے رائج ہے۔ حیدرآباد شہر اور اندرون سندھ میں مکانوں کو ہوادار بنانے اور روشن کرنے کے لئے گھروں پر ”بادکش“ تعمیر کئے جاتے تھے۔ ایسے ”بادکش“ آج بھی پرانے مکانات کی چھتوں پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

”بادکش“ کی تعمیر کی تکنیک پر ہوتی تھی کہ چھت کے ایک کونے میں تقریباً 3x3 فٹ کا مربع حصہ کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کا آدھا حصہ دیوار سے روک دیا جاتا ہے۔ مربع شکل کے سوراخ کو لوہے کے سریوں کا جال بنا دیا جاتا ہے تاکہ کوئی بڑی چیز کمرے میں نہ گرے۔

اس سوراخ کا ڈھلنا قبضوں کی مدد سے بڑا ہوا ہوتا ہے تاکہ اسے کینوں کی ضرورت کے مطابق کھولا یا بند کیا جاسکے۔ اندرون سندھ کے ان علاقوں میں چونکہ ایک ہوائی سرنگ موجود ہوتی ہے لہذا یہ ”بادکش“ ہوا کو کھینچنے اور اسے نیچے کمروں تک پہنچانے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ ایئر کنڈیشنرز اور بجلی کے پنکھوں کے دور سے پہلے سندھ کے شدید

گرم موسم میں گرمی سے بچاؤ کا یہی واحد طریقہ تھا۔

اب نئے مکانات کی تعمیر میں بادکشوں کا استعمال بڑی حد تک کم ہوتا جا رہا ہے کیونکہ اب ان گھروں میں جدید سولٹیس فراہم کی جا رہی ہیں۔ حیدرآباد کے ایک شہری کا کہنا ہے کہ ”بادکشوں کی افادیت اب ختم ہو گئی ہے اور اب وہ ماضی کی یادگار رہ گئے ہیں۔“ لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ بادکش جدید ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث بے کار ہو گئے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے ترقی یافتہ دنیا اپنی ترجیحات بدل رہی ہے اور توانائی کے باکفایت استعمال کے ماحول دوست طریقے اپنا رہی ہے جن میں شمسی توانائی، ہوائی توانائی اور

سندری لہروں کی توانائی وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان جیسے کم ترقی یافتہ ملک جو توانائی کے بحران سے دوچار ہیں، خاص طور پر چھوٹے شہروں اور دیہات میں ایسے طریقوں کے استعمال کی ایڈووکیسی کی ضرورت ہے۔

ہمیں ایسی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور ان کے فوائد کا شمار نہ صرف مالی بلکہ ماحول کے تحفظ کے اعتبار سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہمارا ماحول پہلے ہی بہت زیادہ آلودگی کا شکار ہے۔

ترقی یافتہ دنیا میں عمارتوں اور رہائشی منصوبوں میں توانائی کی بچت کے لئے نت نئے طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ توانائی کو موثر اور باکفایت طور پر استعمال کرنے والے گھروں کے نئے نئے ڈیزائن متعارف کرائے جا رہے ہیں۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ اب ہمیں یہ احساس ہو گیا ہے کہ ہم اپنے توانائی کے حصول کے محدود وسائل کو تیزی سے خرچ کر رہے ہیں اور اس عمل کے دوران اپنے ماحول کو بھی آلودہ اور پرانگندہ کر رہے ہیں۔

تاہم ہمارے خطے میں گزشتہ سو دو سو سالوں سے گھروں کو ہوادار اور روشن رکھنے کے



روایتی بادکش

قطر میں ہی تمام شدید نوعیت کے زلزلے آتے رہے ہیں۔ 1852ء اور 1935ء کے درمیان بلوچستان میں پندرہ زلزلے آئے جو اتنے شدید تھے کہ ان سے عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ بعض تباہ کن زلزلوں کا تعلق معلوم شدہ سرگرم فالٹس سے تھا۔ (کوئٹہ ماسٹر پلان۔ صفحہ 10)

فیلڈ کے مشاہدات اور 1935ء کے زلزلے کے تعلق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ایک سرگرم فالٹ موجود ہے جو بڑے زلزلوں کا سبب بن سکتی ہے جس سے کوئٹہ میں سنگین زلزلوں کا خطرہ موجود ہے (کوئٹہ ماسٹر پلان) صفحہ نمبر 70-71)

کوئٹہ بلڈنگ کوڈ 1935ء کے زلزلے کے بعد مرتب کیا گیا تھا جس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 7.5 تھی۔ اس کوڈ کے نفاذ سے کوئٹہ کے شہروں کی ضروریات قابل تعریف طور پر پوری ہو رہی تھیں کیونکہ کوئٹہ میں وقتاً فوقتاً آنے والے زلزلوں سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، حالانکہ شدت کے اعتبار سے ان میں سے کوئی بھی زلزلہ 1935ء کے زلزلے کے ہم پلہ نہیں تھا۔

1935ء کے زلزلے کی نمایاں یاد دہانی کے طور پر ٹھیک 60 سال کے بعد عین اسی دن یعنی 31 مئی 1995ء کو جس دن ہائیکورٹ میں اس مقدمے کی کچی پیشی تھی کوئٹہ میں پھر زلزلہ آیا۔ لیکن خوش قسمتی سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا کیونکہ اس کی شدت (Richter) ریکٹر اسکیل پر صرف 5.2 تھی۔

یہ درخواست دائر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بلڈنگ کوڈ کے نفاذ کے محافظوں نے خود اس کی خلاف ورزی میں پبل کی اور بلڈنگ کوڈ کے نفاذ میں ناکام رہے۔

مستقبل میں بھی سخت زلزلے آنے کا امکان ہے (کوئٹہ ماسٹر پلان۔ صفحہ 194) کوئٹہ شہر کا محل وقوع مثالی نہیں ہے، زلزلوں کا خطرہ ایک سیاہ بادل کی طرح اس وادی کے سر پر منڈلاتا رہتا ہے (کوئٹہ ماسٹر پلان۔ صفحہ 148)

مختلف ماہرین کی رپورٹوں پر انحصار کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا گیا تھا (جس کا ذکر فیصلے میں بھی کیا گیا ہے) کہ کوئٹہ شہر کی توسیع افقی سمت میں کی جائے اور اسے عمودی طور پر ترقی نہ دی جائے۔ کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر مکمل تباہی اور پوری آبادی کے تس ناس ہو جانے کا سبب بنے گی۔ بلڈنگ کے ذاتی اور انفرادی فوائد لاکھوں شہریوں کی جانوں کے تحفظ کے بعد آنے چاہئیں۔

کوئٹہ بلڈنگ کوڈ 31 مئی 1935ء کے زلزلے کے بعد مرتب کیا گیا تھا جس نے اس علاقے میں زبردست جانی چٹائی تھی اور جس میں تقریباً 60 ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ کوئٹہ کا 1935ء کا زلزلہ دنیا بھر میں ریکارڈ کئے جانے والے زلزلوں میں جانی نقصان کے اعتبار سے گیارہویں نمبر پر تھا۔ تاہم اتنا تباہ کن ہونے کے باوجود یہ اس خطے میں آنے والا واحد زلزلہ نہیں تھا۔

تاریخی طور پر اور 1905ء سے ریکارڈ کئے جانے والے اعداد و شمار سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئٹہ سے 240 کلومیٹر کے

شاز و نادر ہی کوئی ایسا عدالتی فیصلہ ہوتا ہے جس کا اثر کسی شہر کے ہر باسی کے معیار زندگی پر پڑتا ہو اور جس سے شہریوں کی زندگیوں کو تحفظ ملتا ہو۔ بلوچستان ہائی کورٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حال ہی میں اس نے ایک ایسا ہی تاریخی فیصلہ دیا ہے۔

ڈویژن جج جس نے بیگم سعیدہ قاضی عیسیٰ، قاضی عظمت عیسیٰ اور میری جانب سے کوئٹہ میونسپل کارپوریشن، کوئٹہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی حکومت بلوچستان اور دیگر کے خلاف دائر کی جانے والی آئینی درخواست نمبر 125، 1995ء پر اپنا تاریخ ساز فیصلہ صادر کیا ہے عدالتی جج جسٹس امیر الملک مینگل (فیصلے کے منصف) اور جسٹس جاوید اقبال پر مشتمل تھا۔

یہ بلوچستان ہائیکورٹ میں دائر کیا جانے والا اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں سرکاری حکام سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ شہر میں عمارتوں کی تعمیر سے متعلق اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اس کا فیصلہ اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ اس کا اطلاق نہ صرف کوئٹہ میں تعمیر ہونے والی ہر عمارت پر ہوتا ہے بلکہ ہر اس عمارت پر بھی ہوگا جو آئندہ تعمیر کی جائے گی۔

وادی کوئٹہ اس خطے میں واقع ہے جو زلزلوں کے لحاظ سے سرگرم ہے اور ماضی میں وہاں کئی تباہ کن زلزلے آچکے ہیں جن سے بھاری جانی اور مالی نقصان ہو چکا ہے۔

### وادی کوئٹہ اس خطے میں واقع ہے جو زلزلوں کے لحاظ سے

سرگرم ہے، ماضی میں تباہ کن زلزلوں کے سبب بھاری جانی

اور مالی نقصان ہو چکا ہے، مستقبل میں بھی شدید زلزلے آنے

کا امکان ہے

## بلوچستان ہائیکورٹ کا تاریخی فیصلہ







شہری کے سیمینار میں (دائیں سے) جناب ضیاء الرحمن، پرویز نعیم، منتاب اکبر راشدی، نوید حسین، نوید خان اور عین العابدین اور حاضرین

مجوزہ بجلی گھروں میں سے

30 فیصد کراچی میں تعمیر کئے

جائیں گے اور ان پر کوئی

مناسب ماحولیاتی کنٹرول

بھی نہیں ہوگا، اس طرح وہ

شہر میں آلودگی کی سطح میں

مزید اضافے کا باعث بنیں

گے

کی جائے جو ایک زیادہ مناسب، موزوں اور ماحول دوست توانائی پالیسی کی تشکیل میں مدد دے۔

سز متاب اکبر راشدی نے سامعین

کو بتایا کہ ای پی اے سندھ خاصے مالی اور

فنی دباؤ کے تحت کام کر رہی ہے۔ آلودگی

کی سطح کو بیکش کرنے والے آلات، جن

کی سخت ضرورت ہے کی فراہمی محدود

ہے۔ تربیت یافتہ فنی عملہ بھی مطلوبہ سطح

تک دستیاب نہیں ہے۔ تاہم سز راشدی

نے کہا کہ ای پی اے سندھ دستیاب

و مسائل کو بہترین انداز میں بروئے کار لا

رہی ہے اور پاور پلانٹس کے مسئلے کو

مناسب اہمیت دی جا رہی ہے۔

انجینئر عین العابدین نے کم کارکردگی

## بجلی کی پیداوار اور ماحول پر اس کے اثرات

شہری سی بی ای کے زیر اہتمام ۳ اگست ۱۹۹۶ء کو منعقدہ سیمینار کی روداد

ایندھن فراہم کرنے بلکہ ان سے بجلی خریدنے پر بھی مجبور ہے جس کا نتیجہ سنگین مالی بحران کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ مجوزہ بجلی گھروں میں سے 30 فیصد کراچی میں تعمیر کئے جائیں گے اور ان پر کوئی مناسب ماحولیاتی کنٹرول بھی نہیں ہوگا اور اس طرح وہ اس شہر میں آلودگی کی سطح کو اور بھی بڑھانے کا باعث بنیں گے جہاں پہلے ہی آبادی کی کثرت ہے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ تمام متعلقہ شعبوں کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی قائم

شہریوں کی شراکتی تنظیم کی حیثیت سے ”شہری“ بجلی کی پیداوار بڑھانے کی حمایت کرتی ہے جس کی ترقی اور خوشحالی کے لئے ملک کو سخت ضرورت ہے تاہم انہوں نے اظہار افسوس کیا کہ ترسیلی نقصانات، چوریوں اور واپڈا اور کے ای ایس سی میں پیش درآمد سہارت کے فقدان کے باعث بجلی کی شرحوں میں بے تحاشہ اضافہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی خام اور ناقافی انرجی پالیسی کی وجہ سے بڑی تعداد میں نجی بجلی گھر وجود میں آ رہے ہیں اور حکومت نہ صرف ان بجلی گھروں کو

شہری نے حال ہی میں فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایک سیمینار منعقد کیا جس میں مشہور ماہرین نے بجلی کی پیداوار اور ماحول پر اس کے اثرات کے مسائل خصوصاً ”کراچی شہر کے حوالے سے اس پر تفصیل سے بحث کی“ یہ سیمینار گزشتہ سال منعقد ہونے والے ایک ایسے ہی سیمینار کا تسلسل تھا۔ مقررین میں جناب نوید حسین (ایگزیکٹو ممبر شہری برائے بہتر ماحول) سز متاب اکبر راشدی (ڈائریکٹر جنرل ای پی اے سندھ) جناب عین العابدین (پرنسپل عین العابدین ایوسی ایشن) ڈاکٹر نوید خان (حب کو پاور کمپنی) ڈاکٹر پرویز نعیم (پروگرام ڈائریکٹر آئی پی سی این) اور پروفیسر ضیاء الرحمن (انسٹی ٹیوٹ آف انوائزیٹل انجینئرنگ اینڈ ریسرچ، این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی) شامل تھے۔ سیمینار میں بڑی تعداد میں سامعین نے شرکت کی۔ سیمینار میں فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے کئی پریزینٹو ڈاکٹر اپنی کلاف نے بھی شرکت کی۔

نوید حسین نے اس بات پر زور دیا کہ

### پاکستان میں بجلی کی پیداوار

نسب شدہ استعداد	11,000 میگا واٹ	پیداواری استعداد	10,500 میگا واٹ	واپڈا	K.E.S.C / حب کو	فیصد	کیوب
آبی	4377	—	—	—	—	41.1	—
تھرمل	4007	1800	323	—	—	58.4	—
اشنی	—	50	—	—	—	00.5	—
میزان	—	10,500	—	—	—	—	—

## جن بجلی گھروں کو این او سی جاری کئے گئے

ایسی آٹھ نے جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل کو این او سی جاری کر دیئے۔

- گل احمد ہاؤس بلائٹ ۱۲۵ میگاواٹ کوونکس میں جو فرنیس اٹل سے چلایا جائے گا۔
- لیال نرجس ۷۷ میگاواٹ فرنیس اٹل سے چلایا جائے گا۔
- لوانی اسٹار ۱۱۰ میگاواٹ ماہی پوری و ڈفرنس اٹل سے چلایا جائے گا۔
- لیونی ہاؤس پروجیکٹ ۷۰ میگاواٹ سے پورما تھیلو ضلع لغر کی 'گڈرنس' کس سے چلانا جائے گا۔

## ای پی اے سندھ کے زیر غور پاور پلانٹس کے منصوبے

- اسپر زیادہ پروجیکٹ ۲۷۰ میگاواٹ مارچہ کراچی 'فرنیس اٹل' سے چلے گا۔
- جی اے اے ایسٹ پارچ ماؤ ٹنڈ پاور پلانٹ ۱۳۵ میگاواٹ پورٹ قاسم
- ٹریک ایبل پلنچ پاور پلانٹ ۳۳۵ میگاواٹ 'پورٹ قاسم' مانج پیرو ٹیم کس سے چلے گا۔
- ساحل شپ یارڈ پارچ ماؤ ٹنڈ پاور پلانٹ ۲۲۸ میگاواٹ 'پورٹ قاسم' فرنیس اٹل سے چلے گا۔

پیدا کرنا ملک کی اہم ترین ضرورت ہے' ملک کے پورے بجلی کے نظام کو زیادہ موثر اور کارآمد بنانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ جگہ کے انتخاب اور ایندھن میں تبدیلی کے سلسلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر پرویز نعیم نے ٹی جی شے کے بڑے بجلی کے منصوبوں مثلاً حب کو وغیرہ کی کارکردگی پر ماحول پر اثرات کے حوالے سے کڑی نکتہ چینی کی اور اس بات پر زور دیا کہ حکومت کی پرائیویٹ پاور پالیسی کو اور زیادہ شفاف بنایا جائے۔

تقریر کے بعد سوالات و جوابات کا سیشن ہوا جس کے دوران بجلی گھروں کے سلسلے میں شہریوں کی انفرادی اور شہری تنظیموں کی ذمہ داریوں سے متعلق سوالات زیر بحث آئے۔

اور زیادہ آلودگی پھیلانے والے پلانٹس اور ٹیکنالوجی کے استعمال کو چیلنج کیا جن میں درآمد شدہ فرنیس اٹل اور ڈیزل سائیکل سٹم کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کی رائے تھی کہ درآمد شدہ ٹیکنالوجی پر زیادہ انحصار کے باعث اب ہم منگے اور کم کارآمد مالی اور فنی چیلنج قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ جس سے ہماری ملکی معیشت اور طبی ماحول پر ناقابل برداشت بوجھ پڑے گا۔

جناب نوید خان نے پاکستان میں الیکٹرک پاور انڈسٹری/ٹیکنالوجی اور دستیاب ایندھن، فضائی آلودگی کے ماحولیاتی اثرات اور فضائی آلودگی کے خاتمے کے ممکنہ اقدامات کے بارے میں ایک معلوماتی جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ چونکہ زیادہ سے زیادہ بجلی

بے شک شہری برائے بہتر ماحول بجلی کی پیداوار کے حق میں ہے لیکن اس

قیمت پر نہیں کہ وہ ماحول اور مستقبل کی نسلوں کی صحت متاثر کرے

کیونکہ یہ ناپائیدار ترقی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شدید

گندھک کے پھیلاؤ سے انسانی صحت، زراعت اور جنگلات پر برا اثر پڑتا ہے



کراچی میں ایک بار بھر صفائی کی سہم زور و شور سے جاری ہے۔ کے ایم سی کا غائب عملہ حاضر ہو گیا ہے کوڑا

کرکٹ اٹھایا جا رہا ہے لیکن کب تک!! یا کراچی کے شہری امید رکھیں کہ اب کی بار شہر واقعی ہمیشہ کے لئے

صاف ہو جائے گا۔



قانونی امداد

قاضی فائز عیسیٰ، امیر علی بھائی، رولینڈ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا

خطیب احمد

غیر قانونی عملاتوں کے خلاف حکومت کی مہم کے سلسلے میں

کمشنر ہاؤس کراچی میں ۲۱ اگست ۱۹۹۶ء کو کمشنر کراچی مسٹر

حفیظ الرحمن اور شہری کے ارکان کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کی

تفصیلات

شرکاء۔ مسٹر حفیظ الرحمن (کمشنر کراچی)، قاضی فائز عیسیٰ، امیر علی بھائی،

خطیب احمد، رولینڈ ڈی سوزا (شہری)

کمشنر کراچی جناب حفیظ الرحمن نے کہا کہ تعمیراتی سرگرمیوں کے تمام شعبوں میں جواب دہی اور شفاف پن ہونا چاہئے۔ مسز علی بھائی نے کہا کہ شہری برائے بہتر ماحول نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو لکھا ہے کہ موجودہ پیچیدہ صورت حال کا ذمہ دار اس کے قانونی ڈپارٹمنٹ کو کیوں نہ قرار دیا جائے، جس کے نتیجے میں حکومت کو غیر قانونی تعمیرات کے خلاف مہم چلانی پڑی اور صدر اور کفشن کے علاقے میں کارروائی کیوں نہیں کی گئی جہاں بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں کی گئی ہیں۔

مسز ڈی سوزا نے کہا کہ صورت حال بڑی پیچیدہ ہے، شاید سرکاری افسروں کی ایک بڑی تعداد قانون (بلڈنگ کنٹرول قواعد) کی باریکیوں سے آشنا نہیں ہے۔ شہری برائے بہتر ماحول گزشتہ سال سے کے بی سی اے کے کام کے طریقہ کار کی تحقیق کر رہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی ذمہ دار قبول کرنے کو تیار نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ہر شخص ملوث اور متعلق بھی ہے۔

کمشنر کراچی نے کہا کہ شہری کو اس مسئلے کی پیچیدگی کا علم ہے اور حالات کو درست کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

جناب خطیب احمد نے سول انتظامیہ کے سربراہ کمشنر کراچی سے درخواست کی کہ وہ کراچی پر حکمرانی میں شہریوں کا کردار کے موضوع پر ہونے والے سیمینار میں شرکت کریں۔



ایس ڈی پی آئی کے زیر اہتمام اسلام آباد میں دوسری سالانہ پائیا ارتق کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر ربیعہ کاف خطیب احمد اور دیگر شرکاء

فاطمی فاؤنڈیشن

جنوری 1995ء میں معرض وجود میں آنے والی تنظیم فاطمی فاؤنڈیشن بھٹلی جس کی تشکیل میں مردوں کی حاکمیت اور خواتین میں ناخواندگی کی وجہ سے سگی کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تاہم تنظیم بننے کے بعد سگی کی مسلسل کوششوں سے خواتین میں شعور بڑھنا شروع ہوا اور سگی ان خواتین کے اندر کا خوف کم کرنے اور ان کی صلاحیت کو ابھارنے میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ اس کا ثبوت 12 خواتین کا گاؤں کی سطح پر علاقے کے رسم و رواج کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے مردوں کی رضامندی سے چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کرنا ہے۔ خواتین نے خود اپنے لئے ایسے کاروبار کا انتخاب کیا جو وہ ناخواندہ ہونے کے باوجود کر سکتی تھیں۔ ان کاموں میں ٹیلرنگ، لائو اسٹاک اور پرچون کی دکان وغیرہ شامل ہے۔ یہ کاروبار شروع کرنے کے لئے ان خواتین نے سگی کے کریڈٹ پروگرام سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے چھوٹے قرضے لئے۔ ان کو دیکھتے ہوئے گاؤں کی باقی خواتین کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس طرح گاؤں کی مزید خواتین بھی تنظیم میں شامل ہو رہی ہیں۔ اس طرح ایک طرف تو خواتین کاروبار کرتے ہوئے خاندان کی کفالت میں مردوں کا ہاتھ بنا رہی ہیں تو دوسری طرف آڈے وقت کے لئے یومیہ ایک روپے کے حساب سے 30 روپے ماہوار بچت جمع کرتی ہیں جس سے گاؤں کی سطح پر ویلفیئر کے کام کئے جاتے ہیں۔ فاطمی فاؤنڈیشن نے سگی سے درخواست کی کہ سگی آمدنی کا

کوئی ایسا پروگرام شروع کرے جس سے وہ بے سارا خواتین جن کے مالی حالات بہت خراب ہیں یا وہ خواتین جو فی الحال تو سیوگ ممبران ہیں مگر شاید مستقبل میں سیوگ برقرار نہ رکھ سکیں، کے لئے روزگار کا وسیلہ بن سکے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے سگی نے بھٹلی گاؤں میں کرافٹ کا کام شروع کروایا جس میں ریشم کے لیڈیز کرتے، چادریں، اسکرٹ، ٹرائی سیٹ، کرسٹے کی بیڈ شیٹ، نیبل کلاخ، بلاؤز اور ملل کے دوپٹوں کے ساتھ کرسٹے کا کام کروایا گیا۔ ان خواتین کی بنائی ہوئی چیزوں کی سگی مستقبل قریب میں ایک نمائش کرے گا۔ اس طرح سگی نے ایک طرف دیکی خواتین کی صلاحیتوں کو ابھارا اور فروغ دیا تو دوسری طرف خواتین گھر بیٹھے فارغ وقت میں اضافی آمدن کر کے مردوں کے شانہ بشانہ اپنے خاندان کا معیار زندگی بہتر بنا رہی ہیں۔ اس کام کو پہلی دفعہ جب 1995ء میں بھٹلی گاؤں میں تعارف کرایا گیا تو صرف تین خواتین ریشم کا کام جانتی تھیں جس میں ایک بڑی عمر کی خاتون اور دو چھوٹی لڑکیاں شامل تھیں۔ لیکن آج اسی گاؤں کی تقریباً 45 خواتین سگی کے اس پروجیکٹ سے منسلک ہیں جس کے نتیجے میں بھٹلی گاؤں کی صرف خواتین کی تنظیم کی سیوگ اس وقت 45 ہزار روپے کے لگ بھگ ہے اور بھٹلی کی خواتین سگی کو حقیقی معنوں میں اپنا ہمدرد، مددگار اور ساتھی (سگی) سمجھتی ہیں۔

(بہ شکر یہ : سگی خیرنامہ)

چاہئے اور بس کتنا ہے ”ہم اپنے اپنے ممالک میں جتنا کچھ بھی کریں، مزید مسائل ابھر آتے ہیں“ ہمیں ان مسائل کو پیدا کرنے والے عالمی عوامل کی شناخت اور ان کا سدباب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ادریس اپنے خاندانی جہاز رانی، تجارت اور زیورات کے کاروباری امور کی نگہداشت کرتا ہے اس نے کیپ کو یورپ کے عطیہ دینے والے اداروں کی امداد سے چلایا۔ کیپ کی سرگرم عمل کاری رنگ لاتی ہے، اپنی کامیابیوں کے باوجود ادریس حد درجے کا تو طبعی ہے۔ وہ کتنا ہے کہ قنوطیت اسے چوکس اور غیر مطمئن رکھتی ہے۔ ادریس کے مخصوص نظریہ کے مطابق ”یہ دنیا تباہ ہونے والی ہے اور ہم اپنے ہی ڈاکٹرکٹ میں غرق ہونے والے ہیں“ وہ کتنا ہے کہ ”مگر ارضی نظریہ“ اور ”ترقی کی اصطلاحات“ حکومتوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔

ادریس کا ایک اور سماجی انور فاضل ہے، جس نے اسمال نوزائیدہ بچوں کے لئے دودھ کے فارمولے کے خلاف عالمی تحریک سے متعلق اولین کام کرنے پر ”بین الاقوامی صحت“ کا انعام جیتا، جو اسے پنیانگ میں ”عالمی نوزائیدہ بچوں کی خوراک کی تحریک کا مینٹ ورک“ اور ماؤں کا دودھ پلانے کی عالمی تحریک کا اتحاد قائم کرنے میں مدد دینے پر ملا۔

فاضل کو اس کی ”خریداروں کی تحریک“ کی وجہ سے ”مشرق کارالف نادر“ کہا جاتا ہے۔ جبکہ عالمی خریداروں کی یونین کے ادارہ کے متعلق جس کا اس نے 1983ء کا ایوارڈ جیتا، فضل کا کہنا ہے کہ پنیانگ کی انفرادیت یہ ہے کہ سرگرم رضاکاروں کو چیزوں کو عالمی تناظر میں باقی صفحہ ۱۲ پر

## پنیانگ.. عالمی انجمنوں کا گڑھ

یہاں کی معاشرتی تحریکوں کی رنگارنگی میں ملائیشیا کے اصل

مزانج کی جھلک ملتی ہے، یہ گویا ایک چھوٹا سا اقوام متحدہ ہے

اداروں کے ہاتھوں پنیانگ کے پہاڑوں کے قدرتی جنگلات کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ کیپ کا بانی محمد ادریس ہے، جو پنیانگ کے متحرک سماجی گروہوں میں ایک خاندان کے سربراہ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ یہ ادریس ہی تھا جس نے کھور جیسے سرگرم نوجوانوں کو ادارہ میں شامل کیا، ان کی تربیت کی اور انہیں متحرک کیا۔

کیپ کی وکیل خیا رحمان جو عوام کی مفاد کے مقدمات میں سرگرم ہے اور جسے 1986ء میں ملائشین حکومت نے ایک مختصر مدت کے لئے جیل بھیجا دیا تھا، کہتی ہیں ”یہ اٹکل ادریس کی قوت عمل ہی تھی جس نے اردگرد دنیا میں ہونے والے واقعات کے بارے میں ہماری آنکھیں کھولیں۔ یہ ان کی بصیرت تھی جو ہمارے جیسے کئی لوگوں کے لئے پرکشش بنی۔“

باریش ادریس اپنی عمر کی ساٹھویں دہائی میں ایسا شخص ہے جو ہر وقت بھارتی طرز کے کرتے میں لبوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے نوجوان ساتھیوں کو مقامی مسائل کی بین الاقوامی پیچیدگیوں کے بارے میں سوچنے پر اکساتا ہے۔ اس کے مشورہ کے مطابق محض علامات کا ہی نہیں بلکہ اصل مرض کا علاج کرنے کی کوشش کرنی

پرسکون ماحول کو خطرہ میں محسوس کیا تو وہ مقامی جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ پھر انہوں نے محسوس کیا کہ اکثر مسائل کی جڑیں ملکی، علاقائی یا پھر عالمی نوعیت کی ہیں“ کانڈوں اور فائلوں کے انبار میں دفن مارش کھور کو اپنے دفتر میں ہی تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ تنہا ترقی پذیر ممالک کی آواز اقوام متحدہ، عالمی بینک اور دوسرے بین الاقوامی کانفرنسوں میں بلند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

جب سنگاپور کے لیڈر لی کوان یون نے کچھ منتخب تیز طرار نوجوانوں کو 1960ء کی دہائی کے آخر میں آکسفورڈ بھیجا، تاکہ ان کی تربیت اس طرح ہو سکے کہ وہ اس کے شہریوں کی خوش حالی میں رہنمائی کر سکیں، تو کھور بھی ان میں شامل تھا۔ وہ آکسفورڈ سے واپس آیا تو ”سنگاپور کے حکمہ نزانہ“ میں شامل ہو گیا مگر جلد ہی اس کی خوش فہمی دور ہو گئی۔

وہ ملائیشیا کے ایک نئے فعال غیر حکومتی ادارے کیپ ”پنیانگ کے خریداروں کی انجمن“ سے متاثر ہوا جو کہ اس وقت چرچا ہوں کے حقوق کے لئے جدوجہد، سمندر کو آلودہ اور پنیانگ کے مچھیریوں کے روزگار کو ختم کرنے والی مصنوعات کے خلاف جنگ اور ترقیاتی

جزیرہ ملائیشیا کے مغربی ساحلوں کے پاس اس مختصر جزیرہ کا سرگرم رضاکاروں کی بین الاقوامی انجمنوں کے ساتھ وہی تعلق ہے جو حصص کاروبار کرنے والی فرموں کا وال اسٹریٹ سے ہے۔

قدیم روایت، معیاری تعلیم کا ایک طویل تاریخی پس منظر اور بارانی جنگلات سے ڈھکے ہوئے افسانوی جزیرہ پنیانگ نے اپنے بانیوں کو ایک منفرد عالمی نقطہ نظر اور علمبرداری کا مادہ عطا کیا ہے۔

خیال ہے کہ پنیانگ میں دنیا کے کسی بھی شہر سے زیادہ فی کس عالمی علمبرداروں کی انجمنیں موجود ہیں۔ تیسری دنیا کا نیٹ ورک، پنیانگ کے خریداروں کی انجمن، دھرتی کی دوست، ملائیشیا ماحولیاتی جماعت جسٹ (Just) عالمی ٹرسٹ، بچوں کی خوراک کے عالمی محرک کا نیٹ ورک، کیزے مار ادویات سے متعلقہ تحریک کا نیٹ ورک اور ”تیسری دنیا کا دوبارہ ابھرنا“ اور ”تیسری دنیا کی معیشت“ جسے رسالے ”تیسری دنیا کے نیٹ ورک“ کے مارش کھور کا کہنا ہے ”پنیانگ کے باشندے اپنے جزیرہ کے رہن سہن اور رویوں پر ہمیشہ سے ہی فخر محسوس کرتے رہے ہیں اور جب کبھی اس جزیرہ کے

# سنڈی اور سفید مکھی کپاس کو تباہ کر رہی ہے



سب سے بڑا خطرہ بن کر سامنے آئی۔

## موت کے کارخانے

دنیا بھر میں کیڑے مار ادویات کے بے اثر ہو جانے کے ایسے واقعات منظر عام پر آئے جنہوں نے موت کی صنعت کو بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ مثال کے طور پر سوڈان میں جہاں 1975ء سے 1981ء کے درمیان کپاس پر سفید مکھی کے حملے کی وجہ سے پیداوار میں 40 فیصد کمی واقع ہو گئی اور کیڑے مار ادویات کی قیمتوں میں 600 فیصد اضافہ ہو گیا۔ کیڑے مار ادویات کا بے اثر ہونا اتنا ہی خطرناک ہے جتنا

میں اس حد تک اضافہ ہو گیا کہ اسے کپاس کی فصل کے لئے ایک بڑا خطرہ تصور کیا جانے لگا۔ اس سنڈی کو تلف کرنے کے لئے ابتدائی موسمی اسپرے میں اضافہ کر دیا گیا اور زیادہ طاقتور ادویات کا استعمال عمل میں لایا گیا۔ اس سے ان کو تلف کرنے میں کوئی خاص کامیابی تو حاصل نہ ہو سکی لیکن کپاس پر حملہ آور ہونے والی سفید مکھی کے قدرتی حریف جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سفید مکھی کے خون پر پلنے پر بھڑنا ایک مختصر سا کیڑا۔ 1992-1997ء تک سفید مکھی کپاس کی فصل کے لئے

”اس کا مطلب کسی بھی سال کپاس کی فصل کی تھل ناکامی ہو سکتا ہے۔ یہ بحران نیگٹو کل انڈسٹری کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ جس سے اشاک مارکیٹیں ٹھپ ہو کر رہ سکتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بینک بھی دیوالیے کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ملک بھر کے بینک، اشاک مارکیٹوں کے پیسے پر ہی چلتے ہیں۔ ملک غیر ملکی قرضہ جات کی ادائیگیاں کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ قصہ مختصر یہ کہ ہم دیوالیے اور بھوکے ہو کر رہ جائیں گے۔“

## خاتمے کا آغاز

کیڑے مار ادویات کا بے اثر ہونا ایک عالمی منظر ہے۔ زراعت کے ماہرین اس عمل کو عام طور پر ”کیڑے مار ادویات کو کھلنے والی چکی“ کا نام دیتے ہیں۔ بعض حشرات الارض اپنے اجسام میں ایسے کیمیائی عمل سموئے ہوئے ہیں جو انہیں تولیدی تبدیلی برپا کرنے کی صلاحیت بخشتے ہیں۔ وہ بعض ایسے اجزاء تخلیق کر لیتے ہیں جو ان کے اجسام میں داخل ہونے والی ادویات پر حملہ آور ہو کر انہیں بے اثر بنا دیتے ہیں۔ ”انہیں ہلاک کرنے کے لئے ہمیں ان ادویات کی بتدریج زیادہ خوراک اور مقدار کی ضرورت ہے۔“

1980ء کے اوائل میں پاکستان میں کپاس پر حملہ آور ہونے والے ایک خاص کیڑے پر قابو پانے کے لئے وسیع رینج رکھنے والی ادویات کو استعمال میں لایا گیا اس کیڑے کی تعداد میں تو کمی واقعی ہو گئی لیکن 1980ء کے وسط میں کپاس کو نقصان پہنچانے والی ایک سنڈی کی آبادی

چھوٹے چھوٹے کیڑے کوڑوں کے جھنڈ کے جھنڈ جن میں عام طور پر استعمال میں آنے والی جراثیم کش ادویات کا اثر قبول نہ کرنے کا رجحان سا پیدا ہو گیا ہے، ملک کو ایک دلدل میں پھنسا دیا ہے اور ملک کے اقتصادی نظام کے لئے ایک خطرہ بن کر رہ گئے ہیں۔

ماہرین کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں سب سے بڑا عنصر ناقص اور غیر معیاری ٹیکنالوجی ہے جو ان ادویات کے استعمال میں بروئے کار لائی جاتی ہے۔ ورلڈ کنزرویشن یونین (پاکستان) (IUCN) کے ڈائریکٹر ڈیزائن، ملٹی نیشنل اور پرائیویٹ ایگریکلچر ایکسٹنشن ڈیپارٹمنٹس کو اس بات کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ وہ کسانوں کو غیر ضروری جراثیم کش ادویات خریدنے اور استعمال کرنے کی غلط ترغیب دیتے ہیں۔ کسانوں کو ”پہلی نظر میں ہی اسپرے کرنے کی تلقین کی جاتی ہے“ اس کے بعد ملٹی نیشنل مارکیٹ کی توسیعی مہمات کو تقویت پہنچانے کے لئے انہیں ”شیرڈول اسپرے“ پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں جراثیم کش ادویات کے استعمال پر آج کل جو لاگت آتی ہے وہ ملک میں کاشت کی جانے والی کپاس کی کل قیمت کا تقریباً 26 فیصد ہے (گزشتہ چھ برسوں میں یہ لاگت 20 فیصد تھی)

جراثیم کش ادویات کا بے اثر ہو جانا کپاس کی سوئی یا چٹوں کے وائرس یا کسی دوسری بیماری کے حملے سے زیادہ بڑی وبا ہے جس پر قابو پانا کافی مشکل ہے۔ جراثیم کش ادویات کا بے اثر ہونا، کئی ملک نقصانات کا حامل ہو سکتا ہے۔